مولانا عبدالقیوم حقانی

پیکر علم و عمل

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ' گوکہ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما چکے ہیں مگر ان کا سراپا نگاہوں سے کب اوجھل ہونے کا ہے یاد آتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی یادیں رُلا دیتی ہیں ۔ جب کسی کیفیت کا غلبہ ہوا ابتلاء و محن میں مبتلا زندگی کے کسی موڑ میں جب شدت احتیاج کے باوصف حضرت شیخ الحدیثؒ کو سامنے نہ پایا تو ان کی اس حالت اور کیفیت میں مبتلا ہونے کے وقت کی ادا یاد آ گئی دل بے قرار ہوا وہی اضطراب، وہی بے چینی، قلم کی نوک کے راستے آنسو بن کر صفحہ قرطاس پر منتقل ہوتی رہی —— ذیل کا مضمون ان ہی شگفتہ یادوں کا تذکرہ ہے

ے خواہ کتنی ہی شراب غم دوراں مل جائے
دل کا پیمانہ غم یار ہی بھر سکتا ہے۔

یومیہ معمولات اور حالات

احقر کو جس زمانہ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضری اور مصاحبت کی سعادت حاصل ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب حضرتؒ پر ضعف بڑھاپے اور اعذار و امراض کے اثرات نمایاں تھے ۔ گھر سے دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد اور دارالعلوم تشریف لاتے ۔ اس زمانہ میں معمول یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے اپنے اوراد و ظائف اور معمولات جاری رکھتے کہ آنکھیں بند رہتیں طلبہ اور خدام خاموشی سے مصروف خدمت رہتے ۔ گاہے گاہے خدام کے لیے دعائیہ کلمات سننے یا اللہ کریم سے مناجاتی انہماک میں آپ کی دھیمی مگر پرتاثیر آواز سے خاموشی اور سکوت کی فضا ٹوٹ جاتی تھی ۔ اور اگر کبھی کسی طالبعلم یا خادم نے حضرتؒ کے استغراق و انہماک فکر و مراقبہ اور ذکر و تلاوت کے باوصف مداخلت کر دی کوئی سوال پوچھ لیا، کوئی خبر دے دی تو حضرتؒ کی نیم باز آنکھیں کھل جاتیں ۔ لبوں پر مسکراہٹ اور چہرہ پر ہمہ توجہ اور بشاشت کی لہر دوڑ جاتی ۔ ہم طلبہ ایسے شخص کو ملامت کرتے، اس کی اس حرکت کو بے ادبی اور بے جا جسارت پر حمل کرتے ۔ مگر حضرتؒ نے اپنے طرز عمل اور توجہ و التفات سے کبھی یہ تاثر ظاہر نہ فرماتے کہ یہ بے وقت کی گفتگو کیوں شروع کر دی ۔
حضرتؒ کا ذکر و مراقبہ اور تلاوت کا یہ معمول چاشت تک جاری رہتا ۔ بعد ازاں چاشت کی نماز ادا فرماتے ۔ حاضرین و محبین، طلبہ و خدام اور اضیاف دارالعلوم کے فضلاء امت مسلمہ اور عالم اسلام کے لیے بڑے انہماک، توجہ خشوع و خضوع اور تضرع و ابتہال سے جامع دعا کرتے گھر تشریف لے جاتے مہمان ہوتے تو انہیں اپنے ساتھ اپنی بیٹھک میں تشریف لانے کی درخواست کرتے اور کوشش یہ ہوتی کہ بیٹھک کا دروازہ بھی مہمانوں کے لیے خود کھولیں
ہم طلبہ دعائیں لے کر اسباق میں حاضر ہوتے [illegible] دارالعلوم آ جاتے
حضرتؒ اپنے ضروریات، مہمانوں کی ضیافت و خدمت اور گھریلو امور سے فارغ ہو جاتے تو گھنٹہ ڈیڑھ بعد صاحبزادہ مولانا انوارالحق کے ذریعہ گاڑی میں دارالعلوم تشریف لے آتے ۔ دفتر اہتمام میں مہمانوں سے ملتے ان کی ضروریات پوچھتے، ناظم مدرسہ مولانا سلطان محمود سے دارالعلوم کے حالات [illegible] ولات کے واقعات، مہمانوں کی خدمت اور معاونین آمد و نصرت کے بارے میں دریافت فرماتے ملک یا بیرون ملک سے دارالعلوم کے لئے چندہ بھیجنے والوں کو فوری جواب لکھوانے کا اہتمام فرماتے اگر ڈاک آئی ہوتی تو مجھے بلا کر تازہ ڈاک سنتے اور ان کے جوابات لکھنے کے ہدایات اور اشارات لکھواتے درس حدیث کا وقت ہو جاتا تو تمام مشاغل اور مصروفیات یک لخت ترک کر کے فوراً دارالحدیث میں تشریف لے جاتے اور ضعف و امراض اور متعدد عوارض کے باوصف بڑے شوق اور محبت سے حدیث کا درس دیتے ——
دوپہر کو مہمان ہوتے تو ان کی ضیافت کا خوب خوب اہتمام کرتے طبیعت پر ضعف و مرض کا اثر ہوتا تو مہمانوں سے اجازت لے لیتے اور اگر طبیعت درست ہوتی تو سال کے آخر میں ظہر کے بعد بھی درس حدیث کے لئے وقت لیتے مولانا انوارالحق کے کوارٹر میں قیلولہ بھی کرتے اور مطالعہ بھی، احقر سے ترمذی شریف کا متن، حواشی اور بعض شروحات کی عبارات پڑھواتے کہ اپنی نظر کمزور ہو چکی تھی درس حدیث پڑھانے کے بعد مولانا حافظ انوارالحق آپ کو گاڑی میں گھر پہنچا دیتے ۔ عصر کی نماز کیلئے تشریف لاتے تو مسجد محبین و مخلصین اساتذہ و طلبہ اور دور دراز سے آنے والے اضیاف سے بھری رہتی تھی حضرت نماز سے فارغ ہوتے تو محبین میں گھر جاتے، ملاقاتیں دعائیں، اذکار، علوم و معارف کے ارشادات ملکی و بین الاقوامی حالات خاص کر جہاد افغانستان گفتگو کا موضوع ہوتا اور جس روز احقر حقائق السنن شرح اردو جامع السنن للترمذی کے مسودات لے کر حاضر ہوتا تو وہ کام بھی ساتھ ساتھ چلتا حضرت املاء سنتے بھی تھے اور اصلاح بھی کرتے تھے یہ سلسلہ مغرب اور جب کام زیادہ ہوتا تو مغرب کے بعد بھی کافی دیر تک چلتا رہتا تھا ۔ تاہم عصر کی مجلس میں اگر افغان مجاہدین موجود ہوتے تو حضرتؒ پر شوق جہاد کے غلبہ کے پیش نظر خصوصی کیفیات کا اظہار ہوتا تھا ۔

تاریخ کا ایک زرین اور انقلاب آفرین باب

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے بعد عالم اسلام کے علمی دینی مرکز دارالعلوم دیوبند کے قیام اور استحکام سے جس تعلیمی دینی روحانی، مذہبی، اجتماعی اور سیاسی تحریک کا آغاز ہوا تھا اس کے کئی مراحل، انقلابات اور ادوار کی تشکیل اور تکمیل شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ کی ذوات قدسیہ سے ہو کر ۱۹۸۸ء پر اسکی انتہاء ہو گئی۔

۱۸۵۷ء کے بعد اس عظیم اور مسلسل تحریک کا سر رشتہ آغاز اور ابتدائی کڑی قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ذاتِ اقدس تھی جن کے اخلاق جن کی پر خلوص مساعی اور جن کی فراست و تدبر سے اس تحریک کا آغاز ہوا درمیانی کڑیاں اکابر علماء دیوبند تھے جنہوں نے اپنی شبانہ روز محنتوں اور بے پناہ قربانیوں سے اسے شباب تک پہنچایا اور آخری کڑی قائد شریعت محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی ذاتِ اقدس تھی جنہوں نے اسے انتہاء تک پہنچایا اس طرح ۱۸۵۷ء سے ۱۹۸۸ء تک تقریباً ۱۳۱ برس کے عرصہ میں اس تحریک کا ایک زرین باب اور انقلاب آفرین دور مکمل ہو کر ختم ہو گیا۔

حضرت مدنیؒ کا علمی جانشین

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں بے شمار اہل علم اور اصحاب عزم و عمل گزرے ہیں لیکن ذہن و فکر کے محاسن اور علم و عمل کے فضائل کی جامع کسی ایک ہی شخصیت کا انتخاب مقصود ہو تو نظر صرف شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر ٹھہرتی ہے —— اگر تاریخ پاک و ہند میں کسی دوسری ایسی جامع صفات و جامع جہات شخصیت کی تلاش مقصود ہو تو قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے سوا کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی۔

قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اپنی ذہنی و فکری خصائص علم و عمل کی جامعیت سیرت کے حسن، دعوت و ارشاد کے کارناموں، استقامت اور عزیمت کے کمالات، ملک و ملت اور قوم کے عظیم الشان خدمات کے لحاظ سے برصغیر میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کا حسن پرتو تھے۔

اگر شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی کو پاکستان کے حالات میں اسلام کی خدمت علم کے فروغ، علم حدیث کی اشاعت، مدارس کے قیام، مسلمانوں اور ملک و قوم کی رہنمائی کے لئے اسلامی سیرت اور عالمانہ و جرأت مندانہ کردار کے سانچے میں ڈھالا جائے تو اس وجود گرامی مرتبت کا اسم سامی قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ قرار پائے گا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اپنے ذہنی و فکری کمالات میں، ذہانت و فطانت میں، قوتِ حافظہ و خوبی استحضار میں، تواضع اور عجز و انکسار میں، بصیرت و دانائی میں، تفکر اور اندازِ فکر میں، ذوقِ تدریس اور تمسک بالکتاب والسنہ میں، حنفیت کی خدمت و دفاع اور اعتدال میں کمال عشقِ رسالت و حسنِ عقیدتِ جماعتِ صحابہؓ میں، علوم و فنونِ اسلامی میں، ادب و شعر اور تاریخ و فلسفہ میں، نظر و مطالعہ کی جامعیت کے لحاظ سے، خندہ روئی و مزاح طرزِ تکلم و خطابت اور دعوت و ارشاد کے لحاظ سے، اس کے اصول و مبادی میں علمی تدوین کے مختلف کاموں اور علمی فتوحات میں، سیاست کے میدان میں ملک و قوم کی گوناگوں خدمات کے اعتبار سے، درس و تدریس کی زندگی سے لے کر خارزارِ سیاست کی آزمگاہ تک استقامت اور عزیمتِ دعوت کی مثالوں میں، اگر تاریخ میں اپنے اکابر و مشائخ، مربیین و اساتذہ میں کسی شخصیت سے کامل درجے میں اور جزء و کل میں مشابہت رکھتے ہیں تو وہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین مدنیؒ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

مشائخ اور اکابر علماء دیوبند نے انہی صفات و کمالات کی بناء پر قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کو حضرت مدنیؒ کا جانشین و مثیل اور ان کے لگائے ہوئے گلشن علم دارالعلوم حقانیہ کو "پاکستان کا دارالعلوم دیوبند" قرار دیا ہے۔

کیا وہ مجدد وقت تھے

شیخ الحدیثؒ کی مساعی دارالعلوم حقانیہ (میں) کی فضلاء کی تربیت، جہاد افغانستان میں فضلاء کو شرکت بھرپور ترغیب و تربیت و سرپرستی ملکی سیاسیات میں قلندرانہ کردار بالخصوص تحریک نفاذِ شریعت کی قیادت اور اس سلسلہ کی جملہ کوششوں کا مقصد اور بنیادی ہدف تجدید دین احیاء کتاب و سنت اور اصلاح انقلاب امت تھا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، دعوت و سیاست اور اپنے عمل و کردار سے مسلمانوں میں خالص اسلامی اور پختہ فکری اور عملی انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔

حضرتؒ نے مجدد ہونے کا کبھی کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا اور نہ اس سلسلہ میں کوئی عندیہ دیا تھا۔ اور اپنی طبعی افتاد کے پیش نظر اپنے تئیں وہ اس کا واہمہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم مجددیت کی بنیاد خصوصیات طرزِ عمل اور اہداف انہوں نے مکمل طور پر اپنا لیا تھا۔

(۱) انہوں نے اپنے فکر و عمل اور دعوت و تحریک سے مذہب میں بھی اور علم و سیاست میں بھی ایک خاموش موثر اور مفید انقلاب برپا کر دیا۔

(۲) ملک میں تحریک نفاذِ شریعت "متحدہ شریعت محاذ" کی تشکیل اور سیاسی فضا کے تکدر، تمام تر ناہمواری بلکہ شدید مخالفت کے باوجود بھی انہیں جو خیال آیا وہ کسی کی تقلید نہیں تھی۔ جہاد افغانستان کا آغاز، فضلاء کی باقاعدہ تربیت

ومشاورت مجاہدین کی سرپرستی اور بھرپور حمایت ونصرت اور اس سلسلہ کی کامیاب منصوبہ بندی ان کا اپنا خیال اور اپنا اجتہاد تھا جو بہر صورت کامیاب رہا۔

۴۔ انہوں نے اپنی مساعی اور جہد وعمل کا تمام تر نور صرف تصنیف و تالیف کے ادارہ کے قیام وسرپرستی، درس وافادہ وعظ وتبلیغ، خطابت و امامت، اہتمام وتنظیم، سیاست وجمعیت اور علوم ومعارف کی تدوین تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کارہائے نمایاں اور انقلابی نتائج کے حامل کارناموں کے ساتھ ساتھ تجدید دین، احیائے کتاب وسنت اور اصلاح امت کی راہ میں جان پر کھیل جانے اور سرفروشی کی مثال قائم کر دینے میں بھی کوئی فروگذاشت روا نہیں رکھی۔

یہ شرائط مجدد کی خصوصیتیں ہیں جو حضرت شیخ الحدیث میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں ——— ہماری اس گفتگو کی تصدیق حضرت رح کے عام تقاریر مواعظ تربیتی خطابات اور فضلاء کو نصائح اور مجاہدین سے گفتگو وارشادات میں سے بطور نمونہ حضرت کی تقریر کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جو آپ نے مدرسہ تحفیظ القرآن یادہوتی مردان میں علماء کنونشن منعقدہ ۱۳ اپریل ۱۹۸۶ء میں خطاب فرمایا تھا۔

اے علماء کرام! اے فضلاء عظام! آیئے دین اسلام اور سنت رسول ﷺ کے احیاء کی کوشش کریں جس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز رح نے قربانی دی، شہدائے بالاکوٹ نے قربانی دی ہم بھی اس قربانی اور ان کے نہج پر قربانی کے لئے تیار رہیں۔ آج بھی الحمدللہ علماء خصوصاً دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء غفلت میں نہیں بلکہ اہل باطل سے مختلف محاذوں پر برسرپیکار ہیں یہ مولانا جلال الدین حقانی جو پچھلے دنوں زخمی ہوئے آپ ہی کے دارالعلوم کے فاضل ہیں جس طرح ملک بھر کے دینی مدارس میں فضلائے حقانیہ کام کر رہے ہیں اسی طرح جہاد افغانستان میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

الحمدللہ! کہ آج ہر مدرسہ ہر محلہ میں دارالعلوم کا کوئی نہ کوئی فاضل مصروف خدمتِ دین ہے اور آج جو پارلیمنٹ میں شریعت بل پیش ہوا یہ بھی فضلائے حقانیہ کی مساعی کا ثمرہ ہے۔ آپ حضرات عقلمند ہیں دانا ہیں ہوشیار ہیں اور سمجھدار ہیں میں تو کمزور ہوں بوڑھا بھی ہوں، نظر بھی بہت کمزور ہے مگر جب یہ تصور دامنگیر ہوا کہ امت من حیث المجموع رو بہ تنزل ہے۔ امت کی یہ زبوں حالی دیکھ کر اپنی غفلت کا احساس ہونے لگتا ہے کہ خدا کو ہم کیا منہ دکھائیں گے کہ تیرے دین کی کیا خدمت کر کے لائے ہیں۔

شریعت بل کے نفاذ کی تحریک اور مطلقاً نفاذِ شریعت کیلئے علماء اور فضلاء کا فرض ہے کہ وہ قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کریں۔"

جوہر زندگی

حضرت اقدس قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح کی حیاتِ مبارکہ کا اصل جوہر، معاصرین اور زمانہ حال کے اساتذہ حدیث رہنمایان ملت، رہبران قوم میں ان کا امتیاز واختصاص وہ ذوق وشوق، وہ جذب وسلوک، عشق ومحبت و وارفتگی واز خود رفتگی اور جذب الہٰی وخدامستی ہے جس نے مولانا جلال الدین جیسے جرنیل عظیم افغان رہنما زندگی کے ہر میدان اور باطل کے ساتھ ہر محاذ پر سربکف مجاہدین والہین اسلام اور دین کے دردمندوں کی تربیت کی جو اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کے نام سے اس دکان معرفت کا خاص سودا تھا، خود احقر نے بارہا دیکھا اور بارہا سنا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں جب ساری کائنات میں سکوت اور سناٹا ہوتا، حضرت اقدس رح اپنی بالائی منزل میں بارگاہ ربوبیت میں سربسجود ہوتے سارے وجود پر عجز وانکسار اور غلامی عبدیت کی کیفیت طاری ہوتی۔ بھراتی اور لرزتی آواز میں بڑے محبت اور پیار کے لہجے میں آپ کی آواز سننے کو بھی لرزا دیتی تھی۔ یہ اسم ذات اللہ کا ذکر ہوا کرتا تھا لفظ اللہ کے آخر کو سوز بھری آواز سے کھینچ کر جب پکارتے اللہ، تو یوں محسوس ہوتا کہ پوری کائنات میں سیلاب آگیا ہے۔ بچنے کی کوئی توقع نہیں خود حضرت اپنے متوسلین اور پیروکاروں سمیت ڈوبے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان ڈوبنے میں صرف اللہ ہی کا سہارا ہے جسے پکارا جا رہا ہے، بس وہی نجات دے سکتا ہے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا اور والہانہ کیفیت طاری رہتی۔ یہ توحید واخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت رضائے الہٰی کے سوا کوئی چیز مطلوب ومحبوب نہیں رہتی محبت ویقین کا شعلہ ہر طرح کے خس وخاشاک کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے حب جاہ، حب مال اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استیصال کلی ہو جاتا ہے

جبکہ حضرت شیخ الحدیث رح اس کا سراپا نمونہ تھے ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ۔ اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت وناموس ما ۔ اے تو افلاطون وجالینوس ما
عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ۔ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ۔ شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

بہرحال "بکاء بالليل، بسام بالنهار" (رات کو بہت رونے والے، دن کو بہت مسکرانے والے) آپ کی صفت تھی رات کو دیدہ گریاں، دن کو روئے خنداں اور زبان گل افشاں، پھر مقابل امید رکھتے کہ دل کے سوز وگداز اور راتوں کے راز ونیاز کی خبر قریبی لوگوں کو بھی کم ہونے پاتی تھی۔ یہ کیفیتیں اور درد وسوز اور عشق ومحبت کے یہ دلگداز مناظر دیکھ کر مجھے یقین ہو جاتا کہ بس حضرت رح اپنا سب کچھ اپنے محبوب کے قدموں میں لٹا دینا چاہتے ہیں۔ ان کا حال دیکھ کر زبان حال سے زبانِ قال بے اختیار گنگنا اٹھتی ہے۔ ؎

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم ۔ خاکے شوم وبزیر پائے تو زیم

مقصود خستہ ز کونین تو ئی - از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیئوں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گزرے مجھ مسکین و بے چارے کا دونوں جہاں میں مقصود آپ ہی ہیں آپ ہی کیلئے جیتا ہوں آپ ہی کے لئے مرتا ہوں۔)

خلوت وجلوت اور ظاہر و باطن میں یکسانیت

شفقت اور دلداری سب کے ساتھ یکساں تھی، عجیب ہمت، قوت عجیب فہم و بصیرت اور عجیب طرز زندگی تھا۔ جس کا تحمل آج کے بڑے بڑوں اور بڑی قدآور شخصیتوں سے ہونا آسان نہیں۔ نئے آنے والے جو اس سے پہلے کبھی نہیں آتے ہوتے اور برسوں کے ساتھ رہنے والے مخلص خادم اور ہمہ دم کے حاضر باش رفقاء سب سے یکساں لطف و مہربانی اور توجہ و التفات کے ساتھ پیش آتے خود مجھے الحمد اللہ قریباً قریباً دس سال خدمت و معیت اور رفاقت کا شرف حاصل ہوا، عموماً انتظامی امور میں دارالعلوم کے تعلیمی نظام یا ملکی سطح پر اہم سیاسی اور قومی معاملات میں اکابر و اصاغر سے ملاقاتیں ہوتیں علماء، صلحاء، سیاستدان، حکمران، غرض ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ آتے تو مجھے عموماً اس میں شرکت کا موقع حاصل رہتا۔ مقصد یہ ہے کہ خلوت و جلوت اور باہر و اندر میں حضرت رحؒ کے یکساں حال تھے ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس قدر طویل مدت استفادہ خدمت کرنے اور بہت قریب رہنے کے باوجود احقر نے کوئی تفاوت نہیں دیکھا۔

علمی تفوق و امتیاز

طالب علمی کے زمانہ ہی سے اللہ کریم نے آپ کو اپنے رفقاء اقران اور ہم جماعت ساتھیوں بلکہ پورے دارالعلوم دیوبند میں درس و مطالعہ تکرار و مباحثہ کی فطری صلاحیتیں عطا فرما کر ممتاز اور فائق کر دیا تھا علمی استعداد اور اخلاقی صلاحیتوں نے آپ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے اپنے اساتذہ کا منظور نظر ٹھہرایا چنانچہ خود ارشاد فرمایا کرتے۔

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران زمانۂ طالب علمی میں مجھے بحمد اللہ اپنے اساتذہ کرام سے بے حد محبت اور عشق تھا ان کی درسی تقاریر یاد ہو جایا کرتی تھیں پھر امہات کتب کا تکرار اور بعض کا درس بھی دیا کرتا تھا بعض شفیق اساتذہ کرام چپکے چپکے سے کان لگا کر میرا تکرار یا تدریس سنا کرتے تھے خوش ہوتے تھے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے تھے۔

علمی مباحثوں اور باریک دقیق تحقیقات، منطقی ترقیات اور سوال و جواب میں جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جزء اور علمی استعداد اور ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی آپ کی طلاقت لسانی، فصاحت اور قوت گویائی اور قوت استدلال اور بحث و مناظرہ میں سنجیدگی اور حکمت و بصیرت اور دانائی و فراست کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس محفل میں بیٹھتے وہاں چھا جاتے اور ابتداء ہی سے اپنے ہم درس رفقاء اور دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ پر آپ کے ذوق علم اور کمال ذہانت کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔ مولانا عبدالحنان صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ زمانہ طالب علمی ہی میں بوجہ ذکاوت اور تمام فنون کی پڑھی ہوئی کتابوں میں مہارت تامہ کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں کافی شہرت رکھتے تھے بلکہ بعض کتابیں خصوصی طور پر طلبہ خارجی وقت میں ان سے پڑھتے تھے مثلاً میبذی اور تصریح وغیرہ میں مولانا کے حلقہ افادہ میں ۵۰، ۶۰ طالب علم شریک درس رہتے، سب اساتذہ بھی مولانا کی ذکاوت اور ذہانت کے معترف تھے۔

ارباب حکومت سے بے نیازی

ترویج و اشاعت علم و دین کی مساعی اور دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد حضرت شیخ الحدیث رحؒ نے اہل اسلام کی دینی رہنمائی، بلکہ سلطنت اسلامی کی تاسیس اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت اور انابت کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتداء سے سلاطین وقت اور حکمرانان مملکت سے لاتعلقی کے اصول پر رکھی تھی اور یہ اکابر علماء دیوبند کا ایک شعار، ائمہ امت کا خاص ترکہ اور امانت بن گئی تھی حضرت اقدس شیخ الحدیث رحؒ نے اس "شیشہ د آین" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھا دیا تھا۔ ایک طرف ارباب حکومت و سیاست کے غلط رجحانات کا سدباب و اصلاح، وقت کے فتنوں کا استیصال و تعاقب اور مسلمانوں کے مستقبل کی فکر میں مگن رہتے تھے تو دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ حکومت کے عہدوں اور مناصب اور سلطان وقت اور اس کے دربار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھنا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ شرف صرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ تین بار قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے مگر اس کے باوجود مروجہ لادینی سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا۔ حکومتوں کے انقلابات آتے رہے، مگر آپ کے دینی اور تعلیمی مساعی اور مرکز علم دارالعلوم حقانیہ کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

شتہء میں صدر ضیاء الحق مرحوم اور سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو جب پہلی مرتبہ کابینہ تشکیل دے رہے تھے تو صدر ضیاء الحق مرحوم نے باصرار آپ سے وزارت میں آنے کی درخواست کی اور ہر ممکن یقین دلایا کہ انہیں سینئر وزیر کے منصب کے ساتھ ساتھ نفاذ شریعت کے بارے میں پیش رفت کی مکمل اجازت ہوگی۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر وزارت ٹھکرا دی کہ میں بوڑھا اور ضعیف ہوں اور میں دارالعلوم حقانیہ کی خدمت اور درس حدیث کو ایک لمحہ بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، اور جب حکومت نے مرکز میں وزارت کے لئے آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سمیع الحق مدظلہ کے لئے اصرار کیا تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ اسے دارالعلوم کے کام سے اتنی فرصت نہیں مل سکے گی کہ وہ وزارت کی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہو سکے، حکومت کے اس قدر استغناء اور بے نیازی کے باوصف حضرت شیخ الحدیث رحؒ کا اخلاص ان کی بے لوثی اور ان کی بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلّمہ

تھی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ضیاء الحق کے جونیجو کے دور حکومت میں حضرت شیخ الحدیث کی دعوت پر جب ۲۲ دینی اور سیاسی جماعتوں پر متحدہ شریعت محاذ بنا تو آپ کو بغیر اختلاف کے صدر منتخب کرلیا گیا اور آپ کی مساعی اور دارالعلوم حقانیہ کی خدمات کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

دشمن نوازی

حضرت شیخ الحدیثؒ کو اللہ کے بندوں اور بنی آدم کی اولاد سے بے حد شفقت اور محبت کا تعلق تھا وہ اپنوں تو اپنوں اپنے دشمن سے بھی نفرت نہیں کرتے تھے وہ دشمنوں کی دشمنی کو معیوب سمجھتے تھے مگر ان کے شخصی وجود سے انہیں کوئی عداوت نہیں تھی حضرت شیخ الحدیثؒ اخلاص وفنائیت اور بے نفسی کے ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے گویا کہ ان کے دل سے رنج و شکایت، انتقام کا جذبہ، اور ایذاء کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی تھی حضرتؒ کے ہزاروں تلامذہ، اور شب و روز کے قریب رہنے والے خدام، حتی کہ سیاسی اور ذاتی مخالفین تک کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ نہ صرف آشنا پرور اور دوست نواز تھے بلکہ اکثر حالات میں دیکھا گیا ہے کہ آپ دوستوں سے زیادہ دشمنوں کے احسانمند اپنوں سے زیادہ مخالفین کے ممنون و شکر گزار اور ان کے حق میں سراپا مجسمہ دعا بن جاتے تھے۔ حضرتؒ کی ایسی شفقت اور انسان کی دوستی کے ایسے حالات دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا، بلکہ بڑے بڑے اہل علم اور قومی رہنما دریائے حیرت میں ڈوب جاتے اور بعض تنگ ظرف گستاخی بھی کر ڈالتے کہ حضرت! آپ کی ان دعاؤں نے تو مخالفین کو خود سر اور گستاخ بنا دیا ہے مگر حضرت کی ایک مسکراہٹ اہل بصیرت کے لئے علم و فضل اور حکمت و شریعت کے کتنے اسرار بیان کر دیتی، حضرتؒ کے اس طرز عمل سے یوں محسوس ہوتا کہ لوگوں کی دشمنی گویا حضرتؒ پر کوئی احسان ہے ان کے لئے کوئی نادر تحفہ یا زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعائیں نکل رہی ہیں اور منہ سے پھول جھڑتے ہیں ایسے موقع پر یوں محسوس ہوتا کہ حضرتؒ کا رواں رواں یہ پکار رہا ہے ؎

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

(جو ہم کو رنج پہنچائے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے)

دنیا کا عام قاعدہ اور مشہور اصول یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے کہ حضرت کا طرز عمل اور تعلیم و تربیت بلکہ آخری وصیت بھی یہی تھا کہ جس طرح نیکی کا بدلہ نیکی سے دینا فطرت اور اخلاق کا تقاضا ہے اسی طرح بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دینا، مفید اخلاق اور مردان خدا کا ہمیشہ کا اصول وہ معمول ہے، عام لوگوں کا اصول یہی ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھا رہنا چاہیئے۔ لیکن صالحین امت سیدھے کے ساتھ سیدھے اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھا رہنے کی تاکید کرتے آئے ہیں اور حضرت شیخ الحدیثؒ کا طرز عمل، اس کا عملی نمونہ تھا۔

ذوق قرآن

قرآن مجید اللہ کا کلام اور اس کی حقیقی صفت جو اس کی ذات تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور اس کی بے انتہا عظمت کے لئے بس اتنا کافی ہے قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم اور اپنے بندوں پر عظیم ترین نعمت ہے کعبۃ اللہ، انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں، عالم بالا و عالم غیب کی مخلوقات میں عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت اور اس کی نعمتیں، اللہ کے مقرب فرشتے، سب کی عظمتیں مسلّم مگر پھر بھی غیر اللہ اور مخلوق ہیں مگر قرآن اللہ کا کلام اور لافانی پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "طویٰ" کی مقدس وادی میں ایک مبارک درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنوایا تھا کتنا خوش قسمت تھا وہ بے جان درخت جس کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنوانے کے لئے بطور آلہ کے استعمال فرمایا تھا جو بندہ اخلاص اور عظمت و احترام کے ساتھ قرآن مجید کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتا ہے اس کو اس وقت شجر موسوی والا یہ شرف نصیب ہوتا ہے گویا وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام کا ریکارڈ ہوتا ہے اور حق یہ ہے کہ انسان اس سے آگے کسی شرف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید کا ذوق، اس کی تعلیم و تدریس، اس کی حفاظت و اشاعت، اس کے ترجمہ و تفسیر اس کے حفظ و تلاوت، اس کے غلبہ و ترویج کا اہتمام قائد شریعت حضرت شیخ الحدیثؒ کا خصوصی ذوق اور اپنے اساتذہ و اکابر کی طرح ان کی قدیم روایت رہی ہے آپ کے اوراد و وظائف، آپ کی سیاسی جدوجہد، آپ کے تعلیمی نظام اور آپ کے شب و روز کے معمولات میں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور شفقت نمایاں ہے۔ جب تک صحت کام کرتی رہی، قدیم دارالعلوم حقانیہ (مسجد شیخ الحدیثؒ) میں باقاعدگی سے بلاناغہ اس کے درس اور تفسیر کا اہتمام کرتے رہے اور جب یہ سلسلہ خود آگے نہ چلا سکے، تب بھی اپنے فضلاء اور تلامذہ کو شہر میں درس قرآن اور ترجمہ و تفسیر کے جاری رہنے کی تاکید فرمائی، صبح کی نماز کے لئے جب تشریف لے آتے تو اشراق تک مسجد میں تشریف فرما رہتے اس دوران آپؒ زیادہ تر ورد اور وظیفہ قرآن مجید کی تلاوت ہوا کرتا تھا تلاوتِ قرآن کا ذوق، آپ کے ہاں تمام اذواق پر غالب رہتا تھا۔ دم، تعویذ، ورد اور وظیفہ جس کا بھی کوئی مطالبہ کرتا تو قرآنی آیات کا انتخاب کر کے ان کو معمول میں لانے کی ترغیب دیتے۔

قائد شریعت حضرت شیخ الحدیثؒ کے عام معمولات، مجالس، ارشادات، مواعظ، درس و تدریس، انفرادی اور اجتماعی، مساعی، سیاسی تگ و دو، ایوان حکومت میدان سیاست اور پارلیمنٹ میں ان کے عام خطابات کا مرکزی مضمون "قرآن حکیم" ہوا کرتا تھا۔ حضرتؒ اسے عظیم صحیفہ ہدایت اور تمام فکری و تہذیبی اور تمدنی و اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل کی ضمانت قرار دیتے۔

حسن اخلاص

حضرتؒ کی سیرت کا سب سے پہلا عنصر بلکہ جوہر سیرت ان کا "حسن اخلاص"

ہے جسے آپ کے محبین ومخلصین اور عامۃ المسلمین آپ کی ہر ادا خوشبو کی طرح محسوس کرلیا کرتے تھے۔ جس کے پیش نظر آپ زندگی کے ہر موڑ پر داد و تحسین سے بے نیاز، ستائش کی تمنا سے بے پروا بلکہ صلہ و ثواب کی آرزو تک سے اپنے قلب کو پاک کرلیا تھا آپ بے لوث اور بے غرض تھے بے پناہ تھے اس لئے آزمائش کے کسی بھی مرحلہ میں حرص و آز، لالچ و طمع اور ظلم و تشدد کی کوئی تلوار آپ کو کاٹنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ آپ کا اخلاص زندگی کے آخری ۲۰ سال میں باربار آزمائش کی کسوٹی پر پرکھا جاتا رہا۔ اور وہ ہر بار زر خالص بن کر نکھرتا رہا، لیکن ابھی آزمائش کا ایک مرحلہ باقی تھا یہ مرحلہ ۱۹۸۵ء کے انتخابات کے بعد صدر ضیاء الحق مرحوم اور وزیر اعظم محمد خان جونیجو کا نئی کابینہ تشکیل دینی تھی اس موقعہ پر صدر ضیاء الحق نے مرحوم کو سینئر وزارت کی پیش کش کی اور اصرار کیا کہ وزارت میں آپ کے آنے سے اسلامائزیشن کے عمل کی تکمیل ہوسکے گی اس کو قبول کرلینے سے ضرورت اور جواز میں سینکڑوں دلیلیں پیش کی جاسکتی تھیں۔ مگر آپ نے صاف انکار کردیا، جب ادھر سے اصرار ہونے لگا تو آپ نے فرمایا میں حدیث رسول ؐ کا درس اور مسند حدیث کو وزارت کے بدلے ایک لمحے کے لئے بھی ترک کرنے کو تیار نہیں۔

شفقت و تعلق

محسن انسانیت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رأفت اور لوگوں سے محبت و ہمدردی کے بارے میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (توبہ - ۱۶)

اے لوگو، تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہشمند رہتا ہے۔ ایمانداروں کے ساتھ بڑا شفیق و مہربان ہے۔

علوم نبوت کے ورثاء صالحین امت اور علماء اور شیوخ کاملین اہل علم وراسخین کے بھی عامۃ الناس کے ساتھ تعلقات، ان کے لئے ہدایات و تعلیمات، اور ان سے محبتیں و شفقتیں یہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کی وراثت و نیابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قائد شریعت حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی عامۃ المسلمین، خواہ وہ اپنے دوست ہوں یا مخالفین بالخصوص اپنے اہل تعلق و تلامذہ طلباء اور خدام کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت کے ساتھ تشبیہ یا اس پر بھی ترجیح دی جائے تو حضرتؒ کی سیرت کے عام واقعات اور روزانہ کے معمولات اور اس نوعیت کے مبنی برحقیقت حکایات کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔

اللہ کریم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا اور آپؐ کے واسطہ سے آپ کی امت کو حکم فرمایا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (شعراء - ۱۱)

اور لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ اس حکم کی تعمیل میں یہ معمول بلکہ اسے اپنی طبیعت ثانیہ بنا چکے تھے کہ ضعف و علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود بھی دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے اندر جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے اندر قلبی راحت محسوس کرتے تھے۔

جب سے حقائق السنن پر کام شروع ہوا عصر کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی مسجد میں روزانہ کے مسودات سنایا کرتا تھا آپ اصلاح و ترمیم یا اس کی مزید توضیح و تشریح فرمادیا کرتے تھے۔ جب کسی روز قدرے تاخیر ہوتی یا کسی وجہ سے غیر حاضری ہوجاتی تو شام کو حضرتؒ کا آدمی گھر پر پہنچ جاتا اور حضرت کی تلقین کے مطابق اولاً شفقت و محبت سے معمور سلام پہنچاتا۔ اس کے بعد حضرت کی جانب سے طبیعت و مزاج پرسی اور تاخیر یا غیر حاضری پر حضرت کی جانب سے تشویش اور آج اگر ممکن ہوسکے ورنہ کل کے لئے اشتیاق ملاقات کا اظہار ہوتا۔ اور آہ! آج ہمیں کون پوچھے گا؟ ؎

التفات یار تھا اک خواب آغاز وفا
سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیر کہیں

صرف میرے ساتھ نہیں، بلکہ جسے بھی حضرت شیخؒ کے ساتھ قرب و خدمت یا تلمذ و محبت یا مطلق تعارف کا تعلق تھا یا بغیر تعارف کے بھی جس کسی تک حضرتؒ کی شفقتیں اور محبت کی عنائتیں پہنچ سکتی تھیں حضرتؒ اپنے اس معمول میں کسی امتیاز و اختصاص کے بغیر سب کے ساتھ برابری کا معاملہ کرتے تھے اور دل جیت لیتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے جو یہ کہا تھا کہ

"قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کے خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔" [1]

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنے معمولات اور اجتماعی معاملات میں اسے ترجیح دی بلکہ آپ کا اول و آخر ہدف قلوب ہوا کرتا تھا۔

چھوٹوں پر شفقت

قائد شریعت حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے قیمتی مشاغل اضیاف کے ہجوم اساتذہ علم، قومی رہنماؤں اور بڑی قد آور شخصیتوں کے ساتھ مصروف گفتگو ہوتے اور بعض اوقات اپنے اوراد و وظائف اور اعلیٰ باطنی کیفیات کے باوصف بچوں اور چھوٹوں پر بھی بڑے شفیق تھے وہ اپنی شدید فکری مشغولیت، ہجوم افکار، کثرت کار، اور بھری محفل میں ہمہ جہتی مصروفیت کے باوجود بھی ان کی دلجوئی اور ملاطفت کے لئے وقت نکال لیتے تھے بعد العصر کی مجلس میں جب کبھی بھی میرے ساتھ اپنا پانچ سالہ بچہ محمد قاسم حاضر خدمت ہوتا۔ تو اپنی عظیم ذمہ داریوں، مہمانوں یا اوراد و وظائف اور باطنی مشغولیتوں کے باوجود ان کی پوری رعایت فرماتے

[1] سید الاولیاء ص ۱۲۸

سر پر دست شفقت پھیرتے، اللہ اللہ کا سبق پڑھاتے، سبق پڑھنے کی ترغیب دیتے دعائیں پڑھ کر دم فرماتے اور گاہے گاہے نقدی انعام سے بھی نوازتے اور بعض اوقات تو چھوٹوں کی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے کہ ہمیں بھی ورطۂ حیرت اور استعجاب میں ڈال دیتے کہ بچوں کی تربیت اور دلداری پر بھی حضرت کی توجہ کس قدر گہری اور عمیق ہے بعض اوقات چھوٹے بچوں سے آپ کے اخلاق و محبت سے پوری مجلس زعفران بن جاتی، حضرتؒ کی اس قدر شفقتوں و ملاطفت دلجوئیوں اور دلنوازیوں کو دیکھ دیکھ کر کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہو جاتی تھی اور بہت سے "آہوئے وحشی" بھی اسیر دام محبت ہو جاتے تھے بہر حال ہمارے حضرتؒ کی سیرت و اخلاق کا جس پہلو سے مطالعہ کیا جائے تو ان کے تمام ظاہری و باطنی اور انفرادی و اجتماعی حرکات سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ملیں گے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی دوسرا نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

غم عالم یا فکر جہاں

مسلمان جب واقعتاً بھی مسلمان ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ ملت مسلمہ کو جسد واحد سمجھ کر دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلمان کے پاؤں کے کانٹے کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہے بلکہ وہ تو مطلق انسان کا بھی ہمدرد، خیر خواہ اور غم خوار ہوتا ہے۔ اہل علم، نبیؐ کے وارث و جانشین اور آپؐ کے محبین صادقین اور اہل قلوب، غم دنیا سے فارغ البال، لیکن دنیا والوں کے غم اور خلق خدا کی فکروں سے نڈھال اور خستہ ہوتے ہیں، قائد شریعت حضرت شیخ الحدیثؒ بھرپور علمی و دینی مشاغل کے باوصف عامۃ الناس کی غمگساری میں بھی پیش پیش رہتے تھے اس پہلو سے جب حضرتؒ کی زندگی کا جائزہ لیا جاتے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا غم بھلا دیا تھا اور ساری دنیا کے غم کو اپنا غم بنا لیا تھا اور ننگ زیب عالم گیر جب اس ڈگر پر چلے تو عاجز آ گئے اور بے اختیار ہو کر پکار اٹھے ؎

غم عالم فراواں امت و من یک غنچہ دل دارم
چاہ در شیشہ ساعت کنم ریگ بیاباں را

مگر قائد شریعت شیخ الحدیثؒ نے اس سلسلہ میں کبھی بھی تھکن تعب و شکوہ شکایت اور کبیدہ خاطری کا اظہار نہیں کیا اور یہ کہنے کا حق انہیں بجا طور پر حاصل تھا کہ

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جب رات کو ذکر الٰہی میں صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے

یہ تو احقر کا چشم دید واقعہ ہے زمانہ طالب علمی کے تین سال حضرتؒ کے برادر خورد جناب کے بالاخانہ میں اور پھر زمانہ تدریس کے دو ڈھائی سال احقر کا رات کا قیام بھی حضرتؒ کی مسجد میں ہوا کرتا تھا پھر بعد میں بھی رمضان المبارک میں تو حضرتؒ کا اصرار ہوا کرتا تھا کہ افطاری اور سحری وہاں ہمارے ہاں کر لیا کرو۔ احقر کا بارہا کا مشاہدہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ آخر شب میں بیدار رہتے گریہ وزاری کرتے تو صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے آواز اونچی ہو جاتی۔ اللہ اللہ کی سریلی درد بھری آواز جس میں گریہ و اضطراب کی آمیزش ہوتی۔ کان لگا کر سننے والوں کو بھی رلا دیتی تھی۔ حضرتؒ کے ذکر سے ایسا معلوم ہوتا کہ بس ابھی ڈوبے جا رہے ہیں اور بچانے والا بغیر اللہ کے کوئی نہیں، اس لئے اسے پکارا بھی انہی یقین سے جا رہا ہے کہ واقعتاً بھی وہی ذات ہے جو ڈوبتوں کو بچاتی اور بے سہاروں کا سہارا بنتی ہے۔

شیخ مدنی کی نسبت مجسم

اپنے اکابر اساتذہ اور مشائخ کو بارہا یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جس نے شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی کا درد و سوز شب بیداری اور بارگاہ الوہیت میں مناجات و مذاکرات کی نسبت مجسم اور ان کا پرتو کامل دیکھنا ہو وہ شیخ الحدیثؒ حضرت مولانا عبدالحقؒ کو دیکھ لے۔

درد دل

حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند کی اولاد کے مشہور صاحب نسبت بزرگ حضرت خواجہ ضیاء اللہ، آخر شب میں گریہ وزاری کرتے اور لوگوں کو زجر و تنبیہ کر کے بیدار فرماتے اور کہتے "حیف ہے تمہارے حال پر کہ محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہو اور تمہارا یار و محبوب بیدار اور تمہاری طرف متوجہ ہے اور تم خفتہ و غافل ہو تم دعویٰ محبت میں دروغگو ہو ورنہ سچے عاشقوں کا حال یہ ہوتا ہے

مجنوں بہ خیال لیلی در دشت ، در دشت بجستوئے لیلی مے گشت
مے گشت بہ دشت بزبانش لیلی ، لیلی مے گفت تا زبانش مے گشت

ہمارے حضرتؒ کا بس یہی قال اور یہی حال تھا۔ رات ساری عبادت میں گزرتی ذکر کا التزام ہوتا، گریہ اور مناجات کا انہماک رہتا۔ جب صبح ہوتی تو درس قرآن، درس حدیث، درس فقہ اور درس منطق و فلسفہ اور بعض خشک اور علمی مباحث میں ذکر و یاد خدا اور دعا و انابت الی اللہ کی ایسی راہیں نکال لیتے کہ درد دل اور عشق و محبت کی بے قراری اور ذکر محبوب میں بے اختیاری اور اضطراب کی کیفیات چھلک پڑتیں، غالب مرحوم تو جس عالم میں اور جس کے لئے کیا سو کیا ہو مگر یہاں تو قال بھی یہی مقاصد حال بھی یہی

جو چھپ کے بیٹھے بھی تو چھپے کو چھپائے نہ بنے۔

علم و عقل اور عشق کا حسین امتزاج

اکابر علماء و محدثین، اساتذہ علم نامور سیاست دان، ملک و بیرون ملک کے دانشور، قومی رہنماؤں اور اہل بصیرت نے حضرتؒ کے انتقال پر جو ہزاروں تعزیتی خطوط بھیجے رہے ان کتب کا مشاہدہ اور سب کے خطوط و مضامین کا قدر مشترک یہی اور جس کا سب کو اعتراف ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو اللہ کریم نے علم و عقل اور عشق کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ جن حضرات نے حضرت شیخ کو قریب

سے دیکھا ہے یا کبھی ایک جھلک دیکھنے کا موقع ملا ہے وہ سب اس کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت رحؒ کی سیرت اس جامعیت کا مرقع تھی حضرت رحؒ کی سیرت میں علم و عقل اور عشق تینوں پہلو بہ پہلو نمایاں نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی حقیقی معرفت، اساتذۂ علم اور مشائخ کبار کی تربیت و محبت جو بہترین ثمرات اور نتائج پیدا کرتی ہے حضرت شیخ رحؒ کی زندگی میں بھی اپنے اساتذہ و مربیین بالخصوص شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحؒ کا پرتو یعنی اخلاص و اخلاق، سوز و محبت علم و عقل اور عشق کے بہترین حسین امتزاج کی نمود جھلکتی بلکہ ابلتی نظر آتی ہے۔

سوز دل

قائد شریعت حضرت شیخ الحدیث رحؒ کی سیرت و کردار "تعلیم و سیاست اور انفرادی و اجتماعی مساعی اور زندگی کا مرکزی نقطہ جو ان کے تمام اخلاق و اعمال اور جملہ احوال کا محور رہا ہے وہ عشق الٰہی اور محبت رسولؐ کی نعمت خداداد ہے جو ان میں ابتدائے حال سے نمایاں تھیں جو روز اوّل سے قدرت نے ان کی فطرت میں ودیعت فرمائی تھی پھر اکابر علماء دیوبند اور اپنے اساتذہ و مشائخ بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحؒ سے استفادہ اور محبت اور نسبت تلمذ سے شعلۂ جاں سوز بن گئی جس نے مدت العمر حضرت قائد شریعت کو اور نصف صدی سے زائد، اکوڑہ خٹک، دارالعلوم حقانیہ، ہزاروں فضلاء اور افغانستان کے میدان کارزار میں مجاہدین کو سربکف اور ان کے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور حضرت رحؒ کی وجہ سے تا ہنوز دیوانگانِ شیخ عبدالحق اور مجاہدین، افغانستان کا ماحول اور فضاء عشق الٰہی کی حرارت سے گرم اور گداز ہے ان کے تمام حالات، انفرادی اور اجتماعی واقعات، جہاد و عبادات، اعمال و احوال، نجی گفتگو و اشتغال، عام مجالس اور معاملات غرض ہر چیز سے اسی سوز دروں باطن، اور اسی حرارت عشق کا اظہار ہوتا ہے آپ شمع بن کر خود جلتے رہے مگر اپنے سوز دل سے پورے ماحول کو منور رکھا ؎

شمع بن کر بزم ہستی میں بسر کر زندگی
تاکہ تیرے سوز سے سارے جہاں میں نور ہو

روزانہ کی ڈاک میں ملک و بیرون ملک سے خطوط آتے اور جب مدینہ منورہ سے آیا ہوا خط کھولا جاتا تو حضرت لفافہ اور مکتوب دونوں میرے ہاتھ سے بڑی تواضع اور ادب و احترام سے لے لیتے، دونوں کو سر آنکھوں پر رکھتے، بوسہ دیتے۔ حسرت اور محبت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتے رہتے اور بار بار فرماتے کہ یہ مبارک خطوط مدینہ منورہ کی ہواؤں کو چھو کر آئے ہیں یہ بڑے متبرک خطوط ہیں یہ صرف ایک دو روز کا معاملہ نہ تھا۔ ہفتہ میں یومیہ نہ سہی تو تین چار روز کی ڈاک میں ضرور مدینہ منورہ کے خطوط بھی ہوا کرتے تھے۔ اور آپ کا بھی ہمیشہ کا یہی معمول ہوا کرتا تھا۔ اور جب مدینہ منورہ سے آئے ہوئے خطوط کا جواب لکھواتے تو وہاں کے احباب کے نام تاکیداً یہ بھی لکھوا دیتے کہ جب کبھی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" پر حاضری ہو تو ناچیز و گنہگار عبدالحق کی طرف سے بھی صلوٰۃ و سلام عرض کر دینا۔

عشق و محبت الٰہی اور تعلق مع اللہ کا نتیجہ تھا کہ شب کی خلوتوں اور رات کے راز و نیاز اور مناجات کے بعد صبح نماز کے لئے یا دن میں دفتر اہتمام میں تشریف لاتے تو معلوم ہوتا کہ محبت کی شراب چھلک رہی ہے رات کی بیداری سے آنکھوں میں سرخی نمایاں ہوتی اس حرارت عشق اور سرور و مستی کا نتیجہ تھا کہ ضعف و امراض اور پیرانہ سالی کے باوجود رمضان المبارک میں برابر روزہ رکھتے طویل شب بیداری، اور مجاہدات و ریاضت کے باوصف دارالعلوم کے نظام و اہتمام یا درس حدیث پڑھاتے وقت ضعف اور ناطاقتی ظاہر نہ ہوتی تھی۔

عشق و محبت رسولؐ

خشیت و رقت اور عشق و محبت اور فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات کا یہ عالم تھا کہ جب نماز کھڑی ہو جاتی اور مکبر تکبیر شروع کر دیتا، تو حضرت رحؒ ادب و احترام سے قدرے جھک جاتے چہرۂ اقدس اور اعضاء و اندام میں تواضع و انکسار کی جھلک نمایاں ہو جاتی تھی اور جب مکبر تکبیر پڑھتے ہوئے کلمہ شہادت پر حضورؐ کا نام لیتا تو حضرت رحؒ "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھ کر بے اختیار گویا ہو جاتے، قربان جاؤں میرے آقاؐ، قربان میرے آقاؐ، یہ فرماتے جاتے اور اس کے ساتھ ساتھ وجود اقدس میں اضطرار و اضطراب شکستہ دل اور شکستگی کی خاص کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

احقر کو بارہا یہ رقت خیز اور عبرت انگیز منظر دیکھنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، کلمہ تشہد میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آتا تو اس وقت رقت کا بڑا غلبہ ہوتا تھا دائیں بائیں ساتھ والے نمازی حضرتؒ کی اس سرگرمی یار محبوب میں بے اختیار مشغول اور درد و محبت کی اس کیفیت کو محسوس کر لیتے تھے اور ان کی عظمت و تاثیر کے دل و جان قائل اور گرویدہ ہو جاتے تھے۔

قاسم نانوتوی رحؒ کے فلسفے پر عمل پیرا

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ایک عظیم سیاسی رہنما اور زبردست مجاہد بھی تھے۔ جنہوں نے خالص دینی اور اسلامی سیاست کے اصولوں پر ملک میں اسلامی انقلاب لانے کی سرگرمیوں میں بھرپور اور قائدانہ حصہ لیا آپ اس سلسلہ میں بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ کے تاریخی سیاسی فلسفے اور حکمت کے امین اور اپنے استاذ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی کے مدبرانہ اور حکیمانہ جوش عمل کے علمبردار تھے۔

جس سے آپ کو علمی و دینی حلقوں میں شیخ مدنی رحؒ کا علمی جانشین قرار دیا گیا۔ اور اپنی وقیع اور گراں قدر مساعی سے آخر کار علماء

اور مشائخ سے قائد شریعت کا لقب حاصل کیا، آپ کا نظریہ تھا کہ علم کا نتیجہ رہبانیت نہیں ہے بلکہ علم کو سیاست کے میدان میں رہنما ہونا چاہیئے، اسی سے اسلام کا مذہب کی حیثیت سے اور مسلمانوں کا ملت کی حیثیت سے وقار قائم رہ سکتا ہے۔

نصب العین

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اگر ایک طرف پارلیمنٹ کے سرگرم ممبر تھے تو دوسری طرف جمعیۃ علماء اسلام کے نائب صدر بھی تھے اگر وہ مختلف سیاسی محاذوں پر ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کرتے تھے تو متحدہ شریعت محاذ کے پلیٹ فارم پر ایک سرگرم دینی قائد کی حیثیت سے رونما تھے سرگرمیوں اور سیاسی مساعی کے ان میدانوں کے علاوہ وہ دارالعلوم حقانیہ مسند اہتمام وتدریس پر بیٹھ کر شرعی علوم اور کتاب وسنت کی ترویج میں بھی منہمک رہتے تھے۔ کوری سیاست کے لئے پارلیمنٹ کا پلیٹ فارم کافی تھا اور خالص دیانت کیلئے دارالعلوم کی چاردیواری بس کافی تھی۔ مگر ان سب کو بیک وقت جوڑے رکھنے کا مطلب اس کے سوا دوسرا نہ تھا کہ ان کا نصب العین مرکب تھا جس کی سطح سیاسی اور ماہیت اخلاقی تھی۔

لاریب مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک نور تھے تو قائد شریعت مولانا عبدالحقؒ اس نور کی ضیاء اور چمک تھے۔

خطابت

الیکشنی مہم میں یا اصلاحی تحریکوں میں، تقریر شروع فرماتے اس میں نہ تو مولانا ابوالکلام کا جوشِ خطابت اور نہ الفاظ کی طلسم بندی ہوتی تھی نہ دانشورانِ حال کی طرح متانتِ استدلال، بلکہ شروع سے آخر تک سادہ اور بے تکلف انداز غالب رہتا نہ منطقی دلائل سے کام لیتے اور نہ خطابت کا چربہ چلانا جانتے تھے، بس اپنے کو صداقت اور اخلاص کے ساتھ قوم کے آگے کر دیتے۔ سخت سے سخت مخالفت، ہنگامہ آرائی کے یقینی اندیشوں کے باوصف تقریر جس حد تک مؤثر اور کامیاب رہتی اس کی توقع شاید خود مقرر کو بھی نہ رہتی۔ مخالفانہ نعرے اور آوازوں کی جرأت تو کجا؟ پیشانیوں کے بل مٹ جاتے اور سب زلف گرہ گیر کے اسیر ہو جاتے۔

تاریخ نگاری نہیں تاریخ سازی

ہمارے حضرتؒ نے تاریخ نگاری نہیں کی تاریخ سازی ان کی مساعی کا اولین ہدف تھا، اغیار جب تاریخ لکھ رہے تھے، ہمارے حضرتؒ نے بھی تاریخ لکھنے لکھوانے کے بجائے عملاً تاریخ بنانے پر توجہ مرکوز کی اپنی زندگی میں اور حضرتؒ کی حیات میں ہم اس اصول کی گہری سچائی کی قدر نہ کر سکے اس وقت اسے محض ایک ادبی لطیفہ تخیل کا حسین زاویہ قرار دے کر داد دی، اس کا احساس اب ہو رہا ہے خصوصاً افغانستان میں روسی یلغار اور پاکستان میں سرخ انقلاب کے داعیوں کی بھرمار، واقعتاً امت کے انتشار اور ملت کی بادیوں نے ہمارے حضرتؒ کا دل خون کر رکھا تھا اور وہ جو کوئی شاعر محض اپنی شاعرانہ رو میں کہہ گیا ہے کہ ؎

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یہ ہمارے حضرت کے ہاں شاعری نہیں بلکہ ایک واقعہ تھی دنیا کے کسی گوشہ میں کانٹا کسی کے تلوے میں لگتا اس چبھن کو حضرت اپنے دل میں محسوس کرتے۔

انہماکِ عمل

میرے محسن ومربی، میرے شیخ واستاذ، میرے محبوب مقتدا اور میرے پیارے آئیڈیل اور پیارے رہنما کی خصوصیت شاید سب سے بڑی، ان کا انہماکِ عمل، اشتغالِ علم، آدم گری وآدم سازی، اشاعت وغلبہ دین کی مساعی اور سرگرمی ویکسوئی تھی جس کام کو ہاتھ میں لیتے اپنا سارا وقت اور اپنی ساری قوت وقف کر دیتے۔ وہ کام دارالعلوم کا ہو یا رواجات وبدعات کے خلاف مہم، نفاذِ شریعت کی جدوجہد ہو یا اصلاح معاشرہ کا معرکہ! غرض کسی بھی پہلو سے دیکھا جائے ان کی سنجیدگی، ان کا وقار اور ان کی متانت فضولیات اور گپ شپ کے لیے کوئی مہلت ہی ان کے لیے نہ رکھتی تھی۔ لوگوں کے لیے صبح کا وقت تفریح کا ہوتا ہے یا عصر کے بعد کا وقت یا عشاء کے بعد دوستوں سے ملاقات کا وقت! مگر ہمارے حضرتؒ کا مزاج منفرد تھا وہ دوستوں کی ملاقات میں یا صبح اور عصر کی مجالس میں تفریح بھی کام سے حاصل کر لیتے تھے۔

بے پناہ محبت

ہمارے حضرتؒ کی دوسری بڑی بنیادی صفت ان کی گہری ــــ آج کی مروجہ اصطلاح میں بے پناہ محبتِ علمِ دین، تدریسِ حدیث، اشاعتِ سنت، اتحادِ ملت اور اسلام اور ملتِ اسلامی کے ساتھ تھی۔ ان کی وطنیت ہو یا قومیت جذبۂ قوم پروری ہو یا نظریۂ وطن پروری، خدمتِ اسلام کے منافی ہونے کے تصور کا تخیل بھی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اسلام سے ایک ذرہ الگ نہ تھی پشتو قومیت کے علاقہ میں رہنے کے باوجود قوم ووطن کے تقاضوں کی خاطر وہ اپنے دینی تصلب میں ڈھیل دینا یا مداہنت برتنا جانتے ہی نہ تھے۔ پورے ملکی اور قومی سطح پر عظیم سیاسی کردار رکھنے والا اور ایسا کھرا اور پکا مسلمان اپنی کم عمری میں کم ہی دیکھنے میں آیا ہے (اگر ایسا لکھنا بے ادبی نہ ہو) تو کم از کم خود جمعیۃ العلماء کے حلقے میں بھی ان کی سی مثالیں بہت زیادہ نہیں۔

امتزاج جوش وہوش

ہمارے حضرتؒ میں تیسری بڑی اور اہم چیز ان کا امتزاج جوش وہوش تھا۔ احقر نے اپنے سیاسی مطالعے اور سیاسی رفاقتوں میں محض جوشیلے مسلمان ،

جوشیلے خطیب اور جوشیلے راہنما تو بہت دیکھے ہیں جو اپنے اندھا دُھند جوش میں آگے پیچھے کچھ نہیں دیکھتے اور نہ کسی خطرہ کی پرواہ کرتے ہیں، نتائج اور عواقب سے بے پرواہ یہ نادان دوست بارہا مقصد کو نقصان ہی پہنچاتے ہیں، خود بھی ڈوب جاتے ہیں اور قوم کو بھی لے ڈوبتے ہیں ـــــ ان کے مقابل ایک طبقہ محض ہوشمندوں اور مصلحت شناسوں کا ہے، ملت پر کچھ بھی گذر جائے، دین کو جتنا بھی صدمہ پہنچ جائے، قوم تباہ ہو جائے، علمی ادارے غرق ہو جائیں، یہ اپنی حکمتِ عملی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

ہمارے شیخؒ کی ذات جوش و ہوش کی جامع اور دل و دماغ سے بیک وقت کام لینے کی عادی تھی۔ صفحۂ اول کے علماء و مشائخ اور دینی قائدین میں فہم و فراست، تدبّر اور جوش کے ساتھ ہوش، سنجیدگی اور متانت اور جذبۂ عمل کے ساتھ بصیرت وغیرہ کے اچھے نمونوں کی افسوسناک کمی بارہا محسوس ہوئی مگر اس سے بڑی حد تک بڑی شخصیت اور مستثنیٰ ذات دیکھنے میں آئی تو وہ صرف اور صرف ہمارے حضرت مرحوم و مغفورؒ ہی کی ذات تھی۔

تواضع اور طبعی انکسار

ہمارے حضرتؒ کا چوتھا بڑا وصف ـــــ عجز اور طبعی انکسار تھا، تواضع ان کی فطرت تھی، جاہ و مرتبہ اور منصب و مقام پاکر یا بڑے رُتبہ اور عظیم مقام پر پہنچ کر وفاق المدارس العربیہ کی سرپرستی، جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی راہنمائی، پارلیمنٹ کے لیے تیسری مرتبہ منتخب ہونے کی عزت افزائی، تحریک نفاذِ شریعت کی قیادت، علمِ فقہ و حدیث میں جلیل القدر امامت، جہادِ افغانستان میں اہم کردار اور پورے عالم میں بے مثال محبوبیت کی بلند ترین منازل پر پہنچنے کے باوجود وہ آج بھی اپنی زندگی میں ایسے بے تکلف اور سادہ تھے کہ جیسے ایک شیخ الحدیث نہیں، ایک مہتمم نہیں، ایک قائد و راہنما نہیں اسمبلی کا ایک ممبر نہیں بلکہ اب تک ایک طالب علم ہی ہوں ـــــ ایسے مقامات پر پہنچکر اچھے اچھے بہک جاتے ہیں ؎

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے
جو عالی ظرف ہیں جتنی پئیں وہ کب بہکتے ہیں

یہ منزل خاصی امتحان کا کام دیتی ہے۔ ہمارے حضرتؒ اتنے بلند مقامات پر پہنچکر بھی نہ توان کی بات چیت میں کوئی فرق آنے پایا نہ وضع اور لباس میں اور نہ کسی اور چیز میں، سوا اس کے کہ اب تواضع پہلے سے بڑھ گئی تھی، انابت اور تذلل الی اللہ کی کیفیات روز افزوں تھیں، مہمان نوازی بڑھ رہی تھی، آخر عمر میں سخاوت کا عمل تو اتنا بڑھ گیا تھا کہ دارالعلوم کے بہت سے طلباء حضرتؒ کے ہاں جاتے اور عرض کرتے حضرت! کل جہادِ افغانستان جانے کا ارادہ ہے، بس پھر کیا ہوتا ۵۰۰ سے ۱۵۰۰ روپے تک اور گاہے گاہے اِس سے بھی زیادہ کی وصولیاں کر کے شاداں و فرحاں واپس لوٹتے۔

شرافتِ مزاج

ہمارے حضرتؒ کا پانچواں اہم اور امتیازی وصف شرافتِ مزاج تھا۔ نظریات کے اختلاف کو بخوشی برداشت کر لیتے، تنقید کا تحمل، گستاخی، جاہلانہ اور عامیانہ طرزِ گفتگو کے بعض (حاضرین کی حد تک) ناقابلِ برداشت مواقع پر بھی چہرہ پر ناگواری یا غیظ و غضب کے آثار نہیں دیکھے گئے۔ دل میں اپنے حریف یا مقابل کیمپ والے کی طرف سے ذرا بھی میل نہیں لاتے۔ وسعتِ ظرف اور نیک نیتی ان کی فطرت تھی اور سارے اعمال اس کے مظاہر تھے ـــ بلکہ بارہا دیکھا گیا کہ اپنے معاند یا سب و شتم کرنے والوں کا تذکرہ سُننا بھی گوارا نہ کیا اور نہ اُن کے سب و شتم سے دل کی تنگی کا اظہار کیا بلکہ موقع پانے پر اپنے مخالفین اور بدترین مخالفین کے ساتھ ہمدردی، مروت، رواداری، احسان اور درگذر کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔

احقر راقم الحروف کو دس سال حضرتؒ کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور پھر خاص کر تحریک نفاذِ شریعت کے ایام میں جب حضرتؒ نے نفاذِ شریعت بل کے لیے ملک بھر کا دورہ کیا۔ بیماری اور ضعف و علالت کے باوصف حضرتؒ نے ضروری جانا حالانکہ سیاسی فضا انتہائی مکدر تھی۔ اغیار سے تو خیر کوئی گلہ ہی نہیں بعض اپنوں نے بھی نگاہیں پھیر لی تھیں اور بعض اوقات گستاخی پر بھی اُتر آتے تھے، مگر حضرتؒ نے جس عالی ظرفی اور برداشت کا مظاہرہ کیا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ انّ ذٰلک من عزم الامور

مگر حضرتؒ کی بصیرت کی داد دیجئے کہ جب بے نظیر صاحبہ کی وزارتِ عظمیٰ کے آخری ایام میں بغیر پیپلز پارٹی کے ملک بھر کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں شریعت بل کی چھتری تلے پناہ لینے پر مجبور ہو گئیں تو اُس وقت ہمارا یقین اور بھی مضبوط ہو گیا کہ اللہ والے جو قدم اٹھاتے ہیں وہ درست اور بصیرت پر مبنی ہوتا ہے۔ وَللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ

کمالِ اصاغر نوازی

ایک اور اہم وصف جو ہمارے حضرتؒ کا بارہا میرے مشاہدہ اور تجربہ میں آیا وہ حضرتؒ کی کمال اصاغر نوازی، دل جوئی اور ہمت آفرینی تھا۔ حضرتؒ ہمیشہ اپنے خدام اور چھوٹوں کو بڑا بنا کر دکھایا کرتے تھے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ حضرتؒ کے خدام حضرتؒ ہی کے تلامذہ اور مستفیدین تھے جو حضرتؒ سے نسبتِ تلمذ و خدمت اور علم کے اعتبار سے چھوٹے مگر اپنے حلقے اور ماحول اور اپنے دینی کام اور خدمات کے اعتبار سے حضرتؒ کی توجہ اور دُعاؤں کی برکت سے بڑے ہوتے تھے ـــــ میں کیا اور میری بساطِ علم کیا؟ مگر اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ جب کبھی حضرتؒ کے حکم پر اُن کی مسجد میں جمعہ کی تقریر کی اور نماز کے بعد جب حضرتؒ نے اپنے متوسلین اور

دور دراز سے آنے والے محبین وزائرین کے لیے دعا کی غرض سے ہاتھ اٹھاتے تو دعا میں پوری تقریر کا خلاصہ اور مقرر کا نام پورے القاب و آداب سے لے کر اللہ تعالیٰ اسے مقرر کے لیے مزید خدمتِ دین اور اس کی تقریر پر عمل کرنے کی دعائیں کرتے رہتے۔ دور دراز سے مہمان آتے، علماء آتے، سیاسی راہنما آتے، اگر مجھے بلایا گیا تو تعارف بھی اس انداز سے کرایا کہ .... عبدالقیوم حقانی ہیں، بڑے جید عالم مدرس اور ہمارے دارالعلوم حقانیہ کے روحِ رواں ہیں..... وغیرہ وغیرہ ہم لوگ حضرتؒ کی یہ شفقتیں دیکھ دیکھ کر پانی پانی ہو جاتے، مگر حضرت بڑی بے تکلفی اور سادگی سے اتنا تعارف کرا جاتے اور اتنا بڑھا جاتے کہ ہم خدام کے پاس سوائے کمال شفقت کے اور توجیہ ممکن ہی نہ تھی۔ تاہم اس سے دل میں عمل کی انگیخت کا جذبہ ابھرتا اور کچھ کر لینے کی حمیت پیدا ہوتی۔

ہمارے حضرتؒ پر اپنے خدام و متوسلین کی دلجوئی کا یہ انداز اس قدر غالب تھا کہ بعض اوقات اصلاح میں بھی درشت لہجہ یا واقعیت کی پوری حقیقت واضح الفاظ میں بیان کر دینے سے مخاطب کی دل شکنی کے اندیشے کے پیشِ نظر ایسا طریق اختیار کرتے کہ عقلمند اسے اپنے لیے واقعۃً تنبیہ سمجھ لیتے مگر عوام اور حاضرین یا موجودین و سامعین کے لیے اس میں بھی مدح و توصیف کا پہلو سامنے رہتا۔

احقر سے ابتدائی ایام میں اپنی تقریر میں بعض اوقات اردو ادب کے معیاری الفاظ، بعض مشکل الفاظ اور بعض اوقات مشکل الفاظ کا تسلسل ہو جایا کرتا تھا۔ حضرتؒ چاہتے تھے کہ مجھے یہ انداز ترک کر دینا چاہیے، مگر مجھے کبھی بھی یہ نہ فرمایا کہ اس طرح نہ کرو کہ یہ انداز سامعین کے فہم سے بالاتر ہے یا نصح و خیر خواہی کا اصل مقصد اس سے حاصل نہیں ہو سکتا ـــــ بلکہ جب بھی تقریر ختم ہو جاتی تو حضرتؒ حاضرین سے فرماتے: "سن لی اردو اور پشتو کی مقامات؟" حقانی صاحب کی تقریر سن کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ عربی کے علاوہ پشتو اور اردو میں بھی مقامات موجود ہے"، بس میرے لیے اپنے حضرتؒ کا یہ اشارہ کافی تھا چنانچہ احقر نے اس انداز کو ترک کر دیا۔

تنبیہ و اصلاح کا یہ انداز جس میں اخلاص و محبت، اور کمال شفقت کے ساتھ ساتھ مخاطب کے انسانی اقدار نفسیاتی کو ملحوظ رکھ کر نصح و خیر خواہی عمل میں لائی جائے یہ ہمارے حضرتؒ ہی کی خصوصیت تھی جو بہت سوں میں کم دیکھنے میں آتی ہے۔

علاوہ ازیں اپنے کمتروں کو دینی پیشوائی میں آگے بڑھانے کی تو اتنی مثالیں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کی مساعی کا محور اور ہدف ہی یہی ہوا کرتا تھا۔ آدم گری و آدم سازی کا یہ اہم ترین مرحلہ تھا جو ہمارے حضرتؒ کے لیے بہت ہی آسان کر دیا گیا تھا۔

ہمارے حضرتؒ نفع رسانیٔ خلائق و خدمتِ ملت اور تحریک نفاذِ شریعت کی عین ضرورت کے وقت اٹھا لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا ہے، تاہم اتنی بات کھلی ہوئی نظر آتی ہے کہ حشر کے میدان میں خدا معلوم کتنی تعداد میں اللہ کے بندے ایسے نکلیں گے جو ہر طرح ہمارے حضرتؒ کے ممنونِ کرم اور زیر بار احسان ہوں گے، وہ سب کے سب ہمارے حضرتؒ کا بوجھ (اگر کچھ ہوا بھی) اپنے سر لینے کو شوق سے دوڑیں گے اور حضرتؒ کتنے سبک ہو کر، کیسے ہلکے پھلکے، شاداں و فرحاں، خرم و خنداں جنت کی طرف روانہ ہوں گے۔

اس دنیا میں رہ جانے والوں کی تو بس یہی دعا ہے کہ اللہ کریم انہیں اپنے ان الطافِ خصوصی سے سرفراز فرمائے جو مقربین کیلئے مخصوص ہیں۔

اللّٰھم ارحمہ بالقرآن العظیم

مردِ غیور

وہ ایک پھول تھا جس کی لطیف خوشبو سے
مشامِ جاں ہے معطر نفس نفس تازہ
سنا گیا وہ ہمیں مژدۂ بہار افروز
کرے گا کون بصیرت کا اسکی اندازہ
وہ ایک رنگ تھا جو زینتِ گلستاں ہے
اسی کی پرتو رنگین سے ہے چمن آباد
بہار نو میں حسیں پھول مسکراتے ہیں
اسی کے رنگ سے ہے گلشنِ وطن آباد
وہ اک فقیر تھا جس کی صدائے دلکش سے
ملی ہے دولتِ خود بینی و سحر خیزی
غلط تھا اس کی نگاہ بلند کے آگے
شکوہ سطوتِ دارا غرورِ چنگیزی
وہ آستانہ ختم رسلؐ کا مردِ غیور
تمام فیض اسی ایک بارگاہ کا تھا
نظر پڑی نہ کبھی آستانِ باطل پر
چراغ سینے میں تابندہ لا الٰہ کا تھا

ـــ مرسلہ: محمد طیب حقانی ـــ